ملتان میں فلسفے کی روایت

ڈاکٹر روبینہ ترین*

Abstract:
It is an established fact that Multan is one of the oldest cities of the world, which has a reputation of a living city for the last five thousand years. It has a great tradition of institution and thought which reflects its centres of worship, variety of religions and beliefs, compilation of holy book of "Rig Veda' and philosophical attainments and pursuits of the scholars. Great Muslim philosopher, historians, travelers and Sufies have visited this city, one way or the other. Nasir Khusrau (philosopher and a preacher), Al-Beruni (historian and scholar), Fakhar-ud-din Razi (interpreter and philosopher), Samauddin Multani, Abdullah Multani, Maulana Fateh-ullah and Bahauddin Zakariya Multani have become the major source of philosophical tradition in Multan. Atiq Fikri, Qazi Javed and Shabbir Ahmad Ghauri has traced this tradition and the author of this paper has utilized the sources as well as the cultural heritage of Sufi poets of this area.

ملتان میں فلسفے کی روایت زمانہ قدیم سے موجود تھی۔ ہندوؤں کی کتاب رگ وید کا بیشتر حصہ ملتان کے اردگرد کے علاقوں میں تصنیف ہوا۔ اسی طرح ہندی فلسفہ ویدانت میں گیتا کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق ملتان کے مندروں اور عام گھروں میں گیتا کا پاٹ ہوتا تھا اور جو اپدیش ارجن کو کرشن نے مہابھارت کی جنگ کے موقع پر دیا تھا۔ وہ پورا فلسفہ حیات اور اخلاقیات پر مبنی ہے[۱] لیکن اسلامی علوم کا آغاز یہاں ابنِ قاسم کے ہاتھوں ملتان کی فتح کے بعد اس وقت ہوا جب مسلمانوں نے سندھ اور ملتان میں آباد ہونا شروع کیا۔ بنومنبہ کے دور میں ملتان نے تہذیبی اور علمی سطح پر بڑی ترقی کی جب جلم بن شیبان کے ہاتھوں ۳۷۳ھ (۹۷۷ء) میں بنومنبہ (بنوسامہ) کے اقتدار کا خاتمہ ہوا تو یہاں اسماعیلی عقائد کی توجیہہ فلسفے کے اصولوں پر ہونے لگی۔ علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ ان اصولوں کو ''ارسطو اور نوفلاطینین کے نظریات سے تطبیق دے کر قابلِ فہم بنایا گیا تھا۔۔۔ اور یوں نئے فلسفے نے ملتان میں اپنے قدم جما لیے۔''[۲]

ملتان میں اس دَور کی فلسفیانہ سرگرمیوں کے بارے میں شبیر احمد غوری اپنے ایک مضمون ''اسلامی ہند کے

* صدر نشین/ پروفیسر، شعبہ اُردو، بہاءالدین زکریا یونیورسٹی، ملتان۔

نصف اوّل میں علوم عقلیہ کا رواج' ص ۲۵۳، مطبوعہ رسالہ معارف، اپریل ۱۹۶۳ میں لکھتے ہیں:

''جہاں تک علوم فلسفہ کا تعلق ہے یہ باور کرنے کی وجوہ ہیں کہ سندھ اور بالخصوص ملتان میں خفیہ طور پر ان علوم کی بڑی تیزی سے اشاعت ہو رہی تھی، چوتھی صدی کی ابتداء سے اسماعیلی دعاء عالم اسلام میں انقلاب کے لیے زمین ہموار کرتے پھر رہے تھے۔''

ملتان میں فلسفے کی روایت کے تسلسل میں جو بہت سے عوامل ہیں ان میں ایک مشہور فلسفی اور شاعر ناصر خسرو کی ملتان میں آمد بھی ہے۔ حکیم ناصر خسرو کی پیدائش ۳۹۴ھ/۱۰۰۳ء اور وفات ۴۸۱ھ بتائی جاتی ہے[۳]۔ سفر نامہ خسرو سے پتہ چلتا ہے کہ وہ ملتان سے لاہور گیا اور پھر واپس چلا گیا۔

معقولات و فلسفہ پر ناصر خسرو کو دوسرا ابو علی سینا کہا جاتا ہے، وہ ملتان میں مصر کے فاطمی حکومت کا داعی بن کر آیا تھا اور ظاہر ہے ملتان میں فلسفے کی روایت کے سلسلے میں اس کا نام آنا چاہیے۔ پھر محمود غزنوی کے عہد میں البیرونی نے برسوں ملتان میں قیام کیا اور ''کتاب الہند'' لکھی۔ البیرونی ایک طرف تو سنسکرت سیکھ کر ہندی فلسفے سے متعارف ہوئے اور دوسری طرف یونانی فلسفے سے ملتان کے لوگوں کو بھی آگاہ کیا۔ شبیر احمد غوری کے مطابق

''اس نے یہاں آ کر ہندو فلسفہ و ہیئت ہی نہیں سیکھا بلکہ ہندوؤں کو بھی مسلم ریاضی و ہیئت سکھائی۔''[۴]

محمود غزنوی کے بعد حضرت شاہ گردیز ملتان تشریف لائے اور درس و تبلیغ کے ذریعے اسلامی علوم کی ترویج کی کوششیں کیں۔ ادھر بوعلی سینا کا فلسفہ چھٹی صدی ہجری میں ملتان میں پہنچ چکا تھا۔ امام فخر الدین رازی جیسا مفسر اور فلسفی بھی سرزمین ملتان میں اپنی تقریروں کے ذریعے اسلامی فلسفے کی وضاحت کر چکا تھا۔ ملتان کے جیّد علما فضلی اور اثیر خراساں جا کر امام رازی سے فیض یاب ہوئے تھے اور پھر ناصر الدین قباچہ کے دربار میں انہیں ندیم خاص کا مقام حاصل ہوا تھا۔[۵]

۶۰۵ھ میں غوث بہاؤ الحق زکریا ملتانی کی علمی درس گاہ نے مختلف علوم و فنون کی اشاعت میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا۔ یہ وہ دَور ہے جب ناصر الدین قباچہ کا دربار علماء اور فنکاروں کی سرپرستی میں پیش پیش تھا اور ملتان علوم و فنون کا مرکز بن چکا فضلی ملتانی جو بخارا میں عوفی کے ہم مکتب اور ہم درس رہے اور وہیں دونوں نے امام فخر الدین رازی کی

جامع الصغیر حفظ کی، قباچہ کے دربار کے ساتھ وابستہ رہے۔ فلسفی ہونے کے ساتھ ساتھ وہ بہت اچھے شاعر بھی تھے اور قباچہ ان کی شاعری کا قدردان تھا۔

ساتویں صدی کے وسط سے آٹھویں صدی ہجری کے آخر تک کے عرصے میں ملتان کے بے شمار علماء برصغیر میں پھیل گے۔ مولانا بہاء الدین ملتانی نے دہلی میں سکونت اختیار کر کے تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ مولانا حجۃ الدین نے بھی علاؤالدین خلجی کے زمانے میں دلّی میں درس گاہ قائم کی۔ قطب الدین کاشانی کے فرزند علی گڑھ میں عہدہ قضا پر بھی فائز رہے اور تدریس بھی کرتے رہے۔ ملتان کے ایک اور صوفی عالم شیخ صدرالدین ظفر آبادی ملتانی، حضرت رکن الدین عالم سے خرقہ خلافت حاصل کر کے ظفر آباد میں مقیم ہوے اور علم وفضل سے لوگوں کو فیض یاب کیا۔ شیخ عثمان داؤد ملتانی کو فقہ اور تصوف کے علوم پر کامل دسترس حاصل تھی انہوں نے شیخ نظام الدین اولیاء کے حکم سے گجرات میں درس وتدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ قاضی ابراہیم بن فتح اللہ ملتانی نے دکن کے شہر بیدر میں علم پھیلایا۔[۶]

اس ابتدائی دَور کے بعد وہ دَور آیا جب ملتان کے علمی وتہذیبی اثرات ہمہ گیر طور پر پورے برصغیر میں پھیلنا شروع ہوئے۔ ملتان میں صوفیاء کے اثرات کی بدولت نہ صرف روحانی فیوض اور اثرات عام ہوئے بلکہ سوچ اور فکر کے دھارے بھی بدلے اور ایک لحاظ سے اسلامی فلسفے کا احیاء بھی ہوا۔ ملتان میں تصوف کے ساتھ ساتھ فلسفے کی بھی ایک بھرپور روایت ملتی ہے۔ فقہ، حدیث، تفسیر، تصوف کے علاوہ فلسفہ، کلام، اخلاق اور منطق کے میدان میں بڑے بڑے جیّد علماء پیدا ہوئے۔

ان کے علاوہ بھی چند اہم لوگ ایسے ہیں جن کی بدولت فلسفے کی روایت عام ہوئی۔ ان علماء میں مولانا ثناء الدین ملتانی خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ انہوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی ۷۹۲ء) سے تعلیم پائی تھی۔ وہ علامہ تفتا کے علم وفضل کی شہرت سن کر ان سے کسب فیض کے لیے ایران گئے۔ حصول علم کے بعد واپس آئے تو معقولات کی تعلیم پر خصوصی توجہ صرف کی اور مولانا سماء الدین ملتانی اور مولانا فتح اللہ ملتانی کو تعلیم دی۔ مولانا سماء الدین ملتانی دہلوی (متوفی ۹۰۱ھ) ملتان کے قدیم باشندے تھے۔ آپ کا تعلق کنبوہ خاندان سے تھا جس کے ایک بزرگ حاجی جمال کنبوہ نے سب سے پہلے حضرت بہاءالدین زکریا ملتانی کے ہاتھ پر اسلام قبول کیا۔ مولانا سماءالدین ملتانی اور ان کے بھائی مولانا اسحاق دونوں علم وفضل اور فلسفے میں شغف رکھتے تھے۔ مولانا سماءالدین حضرت راجو قتال کے مرید تھے۔ لنگاہوں کے زمانے میں دہلی منتقل ہوئے اور دہلوی کہلوائے۔

آپ نے اپنی پوری زندگی درس و تدریس میں گزاری اس دَور کے بڑے بڑے علماء آپ کے شاگرد تھے۔ ''سیر العارفین'' کے مصنف مولانا حامد بن فضل اللہ جمالی نے آپ کو'حقائق کے مخزن' وقائق کے معنی، ذاتِ اقدس کے جلوے کے سمندر، آسمان ہدایت کے روشن آفتاب اور جہاں تمکین کے آسمان بھی کہہ کر پکارا ہے۔[۷]

مولانا عبداللہ ملتانی جو عبداللہ تلنمبوی بھی کہلاتے ہیں تلمبہ میں پیدا ہوئے لیکن تعلیم ملتان میں پائی بعد میں فلسفہ و منطق کی تعلیم کی تکمیل کی خاطر عراق تشریف لے گئے اور علامہ عبداللہ نیروی سے حصول علم کیا۔ ملتان واپس آ کر فلسفہ و منطق کا درس دینے لگے۔ پروفیسر محمد امین کے مطابق:

> ''آپ کے دور میں منطق کی کتاب شرح شمسیہ اور کلام میں شرح صحائف پڑھائی جاتی تھیں مگر آپ نے بہت سی نئی کتابیں بھی شامل نصاب کیں۔ آپ کو منطق و فلسفہ میں یدطولیٰ حاصل تھا اور انہی مضامین کی تدریس میں آپ نے عمر گزار دی۔''[۸]

آپ بھی سماء الدین ملتانی کی طرح دہلی میں منتقل ہوگے اس وقت دہلی میں سکندر لودھی کی حکومت تھی۔ اس نے آپ کو ملک العلماء کا اعزاز عطا کیا اور گزر اوقات کے لیے جاگیر بھی مقرر کی[۹ اور ان کے سپرد ایک بہت بڑا مدرسہ کر دیا جہاں وہ فقہ اور معقولات کی تعلیم دیتے تھے۔ علامہ عتیق فکری کے مطابق بدیع المسی انہوں نے لکھی تھی[۱۰] ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی۔ نور احمد فریدی کے مطابق:

> ''مولانا کے ویسے تو سینکڑوں شاگرد تھے لیکن چالیس باکمال عالم بنے جن میں مفتی جمال الدین اور ان کے بھائی عبدالغفور میں نصیر الدین دہلوی، میاں شیخ گوالیاری اور میراں جمال الدین بدایوں کا بڑا درجہ ہے۔''[۱۱]

مولانا عبداللہ کے دوست اور ساتھی مولانا عزیز اللہ (متوفی ۹۳۲ھ) بھی اپنے وقت کے جیّد علماء میں شمار ہوتے تے۔ وہ بھی تلمبہ میں پیدا ہوئے لیکن معقولات کی تعلیم ملتان میں حاصل کی۔ آپ کو علوم متداولہ یعنی اول، کلام، منطق اور حکمت میں بڑا عبور حاصل تھا سب سے پہلے دہلی میں مولانا عبداللہ کے مدرسے میں تدریس کا سلسلہ شروع کیا۔ بعد میں بدایوں سے ہوتے ہوئے سنبھل چلے گے اور وہیں مستقل سکونت اختیار کی۔ سکندر لودھی نے آپ کی قدردانی کی۔ مولانا عزیز اللہ کے بارے میں علامہ عتیق فکری لکھتے ہیں کہ

> ''مولانا کا حافظہ بلا کا تیز تھا اور مشکل مسائل حل کرنے میں یدطولیٰ رکھتے تھے

بغیر مطالعہ کیے کتاب پڑھاتے تھے اکثر لوگ مشکل اور پیچیدہ سوالات بطور
امتحان پیش کرتے اور مولانا چٹکیوں میں حل کر دیتے تھے۔''[۱۲]

شبیر احمد غوری مولانا ابومحفوظ الکریم کے ایک مضمون ''صدرالدین الشیر ازی حیاتہ و مآثرہ'' مطبوعہ انڈو ایرانیکا کے حوالے سے عبداللہ ملتانی اور عزیز اللہ کے بارے میں لکھتے ہیں:

''۔۔۔کہ یہ دونوں بادشاہ (سکندر لودھی) کی خدمت میں حاضر ہوئے تو وہ
بڑے اعزاز و اکرام سے پیش آیا اور انہیں انعامات و تحائف سے نوازا۔ ان
دونوں کی علمی کوششیں بارآور ہوئیں اور شمالی ہند میں فلسفہ کی تعلیم کی اشاعت
میں وہ نہایت نمایاں اور ممتاز سمجھے جاتے ہیں۔''[۱۳]

مولانا عزیز اللہ کے استاد مولانا فتح اللہ بھی کوئی کم اہم شخصیت نہیں ہیں انہوں نے قطب الدین رازی کے مشہور شاگرد تفتازانی (متوفی ۷۹۲ھ) کے شاگرد مولانا موسی الجبری سے دہلی میں تعلیم حاصل کی تھی ان کے علاوہ ثنا الدین ملتانی سے بھی اکتساب علم کیا[۱۴]۔ وہ ملتان کے بہت بڑے فلسفی، معلم، خطاط اور دانشور تھے۔ ان کے شاگردوں کی تعداد بہت زیادہ تھی[۱۵]۔ ان شخصیتوں کے ساتھ ساتھ ایک بہت بڑی علمی اور قدآور شخصیت حافظ عبدالعزیز پرہاروی کی ہے۔ آپ تحصیل کوٹ اڈو ضلع مظفر گڑھ کے قصبہ پیر یار میں حافظ احمد بن، حافظ محمود کے گھر ۱۲۰۹ھ میں پیدا ہوئے۔ چھ سال کی عمر میں قرآن مجید حفظ کیا۔ بارہ سال کی عمر میں تمام علوم حاصل کر لیے۔ حضرت حافظ جمال اللہ ملتانی سے فیض حاصل کیا۔ علم الکلام اور فلسفے پر عبور حاصل تھا۔ مصر کے علماء بالخصص ابوزہرو جیسا فقیہہ اور محدث اپنی کتابوں میں خصوصیت سے عبدالعزیز پرہاروی کے حوالے دیتا ہے[۱۶]۔ فلسفہ، تصوف، تفسیر، حدیث، فقہ، طب، حکمت، ریاضی اور علم جفر کا یہ ماہر سو سے زیادہ کتابوں کا مصنف تھا۔ آپ نے بہت کم عم پائی صرف ۳۳،۳۴ سال کی عمر میں ۱۲۳۹ھ میں وفات پائی۔

غرض سرزمین ملتان علوم فلسفہ کی ترویج کے سلسلے میں پیش پیش رہا۔ شبیر احمد غوری لکھتے ہیں:

''۔۔۔یہ علاقہ نویں صدی تک معقولات کی تعلیم کا گڑھ بنا رہا۔ یہیں (ملتان)
سے مولانا عبداللہ تبنی اور عزیز اللہ ملتانی نے دہلی پہنچ کر معقولات کی گرم بازاری
کو مزید رونق دی۔''[۱۷]

ان علماء کی کاوشوں سے اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ملتان کے صوفیاء اور علماء کو حدیث تفسیر، فقہ کے علاوہ منطق

اور فلسفے سے بھی گہرا لگاؤ تھا۔ علمی اور عملی تصوف کی ترویج کے علاوہ فلسفے اور منطق کی تدریس اور اشاعت کے لیے بھی ان علما نے اہم کردار ادا کیا البتہ ملتان میں جس فکر کو زیادہ مقبولیت حاصل ہوئی وہ صوفیانہ فکر تھی کیونکہ ملتان صوفیاء کے ایک بہت بڑے سلسلے کا مرکز رہا یہ سلسلہ سہروردیہ تھا جو ملتان سے شروع ہو کر پورے برصغیر میں پھیل گیا۔ اس سلسلے کے صوفیاء اپنے مخصوص اصول و اشغال رکھتے تھے جو انہیں دوسرے صوفیانہ سلسلوں سے ممیّز کرتے ہیں۔ قاضی جاوید اپنی کتاب ''برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء'' میں لکھتے ہیں:

> ''برصغیر میں سہروردی کے سلسلے کا فروغ زیادہ تر ملتان کے مرکز کے حوالے سے ہوا۔ شیخ بہاء الدین زکریا برصغیر ہی کے باشندے تھے اور تعلیم کے حصول کی خاطر بغداد میں شیخ شہاب الدین سہروردی کی خدمت میں پہنچے تھے۔ داراشکوہ نے انہیں شیخ شہاب الدین سہروردی کا کامل ترین خلیفہ قرار دیا ہے۔ بغداد سے واپسی کے بعد ان کی زندگی ملتان ہی میں بسر ہوئی تھی۔۔۔۔ سہروردی مکتبۂ فکر تیرہویں و چودھویں صدیوں کے مسلم برصغیر میں راسخ الاعتقادی کی نمائندگی کرتی ہے تاہم اس بات کو ایک عام اصول کے طور پر پیش نہیں کیا جا سکتا۔ اس مکتبہ فکر سے منسوب بہت سے دانشوروں نے برصغیر میں مسلم روحانی بغاوت میں اہم کردار ادا کیا تھا۔''[۱۸]

سلسلہ سہروردیہ سلاطین وقت کے ساتھ روابط رکھتا تھا۔ سیاست میں باقاعدہ حصہ لیتا تھا اور جاگیریں اور نذرانے بھی قبول کرتا تھا۔ سہروردی سلسلے میں اہم ترین کتاب شیخ شہاب الدین سہروردی کی عوارف المعارف ہے۔ اس کی صوفیانہ فکر اور آداب و اشغال کا سارا خزانہ اسی کتاب میں بند ہے۔ سہروردیہ نے ابن العربی کے فلسفہ وحدت الوجود کو ردّ نہیں کیا بلکہ اختیار کیا۔ ملتان میں یہ فلسفہ فخر الدین عراقی کی وساطت سے متعارف ہوا۔ عراقی کی خط و کتابت حضرت بہاء الدین زکریا کے فرزند اور جانشین حضرت صدر الدین عارف سے تھی۔ عراقی نے انہیں شیخ اکبر بن عربی کے خیالات سے روشناس کرایا۔ کہا جاتا ہے کہ کتاب ''لمعات'' انہوں نے ''فصوص الحکم'' سے متاثر ہو کر لکھی تھی۔ ''سیر العارفین'' کے مطابق:

> ''کتاب لمعات اس طرح تصنیف ہوئی کہ حضرت شیخ الاسلام (بہاء الدین زکریا) کی وفات کے بعد جب انہوں نے ملتان سے بیت اللہ کا ارادہ کیا اور

وہاں سے روم پہنچے اور شہر قونیہ میں آئے تو وہاں شیخ محی الدین ابنِ عربی کے خلیفہ شیخ صدرالدین قونوی تھے کچھ عرصے تک ان کی صحبت میں رہے اور کتاب لمعات قونیہ میں تصنیف فرمائی اور وہاں سے انہوں نے ایک خط شیخ الاسلام صدرالدین عارف کو لکھا کہ جس میں عارفانہ کلمات ونکات تھے اور اس میں تحریر تھا کہ اب ہم کو ایک ایسے صوفی کی صحبت ملی ہے کہ جس کے یہ کلمات ہیں۔'' [۱۹]

چنانچہ ظاہر ہے کہ عراقی فصوص الحکم سے بہت متاثر تھے۔ انہوں نے ایک نسخہ شیخ صدرالدین عارف کو بھجوایا جس کی بہت سی نقول آگے گجرات اور کاٹھیاوار تک بھیجی گئیں جس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس کتاب کے ذریعے ملتان اور برصغیر کے صوفیاء ابن عربی کے خیالات سے متعارف ہوئے اور پھر یہ نظریہ مسلم برصغیر میں بہت مقبول ہوا۔ وحدت الوجودی فکر سے محبت اور انسان دوستی کا وہ رویہ پروان چڑھایا جو ملتان کی صوفیانہ شاعری سے بھی منعکس ہوتا ہے۔ بابا فرید گنج شکر اور خواجہ غلام فرید کی شاعری اسی انسان دوستی کے رویے کی بہترین مثال ہے۔

حوالہ جات

۱،۲۔ مضمون ''ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر'' از علامہ عتیق فکری، ص۲ (یہ غیر مطبوعہ مضمون فل سکیپ کے چھ صفحوں پر ان کے اپنے ہاتھ سے لکھا ہوا ہے اور میری تحویل میں ہے۔)

۳۔ بحوالہ سفرنامہ حکیم ناصر خسرو مترجم مولوی محمد عبدالرزاق کانپوری، ص۱۰۹، مطبوعہ انجمن ترقی اُردو ہند، دہلی، ۱۹۴۱ء۔

۴۔ مضمون ''اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج'' (قسط دوم)، ص۱۰۶، مطبوعہ معارف، فروری ۶۳ء، جلد۹۱۔

۵۔ مضمون ''ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر'' از علامہ عتیق فکری، ص۳۔

۶۔ مزید تفصیل کے لیے ملاحظہ فرمایئے: (۱) برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات از عتیق فکری مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ۲۸ جون ۱۹۷۸ء (۲) مسلم فلسفے میں ملتان کی اہمیت، از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو، جولائی ۱۹۸۳ء ص۳۴ (۳) ''بزم مملوکیہ''، ص۳۷۔

۷۔ بحوالہ ''سیر العارفین'' از فضل اللہ جمالی مترجم محمد ایوب قادری، ص۲۵۱، مرکزی اُردو بورڈ، لاہور، بار اول، اپریل

۱۹۷۶ء۔

۸۔ بحوالہ ''مسلم فلسفے میں ملتان کی خدمات''، از پروفیسر محمد امین، مطبوعہ ماہ نو، جولائی ۱۹۸۳ء، ص ۳۵۔

۹۔ بحوالہ ''تاریخ ملتان'' (جلد اول) از نور احمد فریدی، ص ۲۹۵، مطبوعہ قصر الادب، ملتان، بار اول۔

۱۰۔ بحوالہ ''ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر''، ص ۶۔

۱۱۔ بحوالہ ''تاریخ ملتان'' (جلد اول) از نور احمد فریدی، ص ۲۹۶۔

۱۲۔ بحوالہ ''برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات''، مطبوعہ امروز ملتان نمبر، ص ۵۔

۱۳۔ بحوالہ ''اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج'' (چوتھی قسط) معارف-۱، جلد ۹۱، جنوری ۶۳ء، ص ۲۵۔

۱۴۔ بحوالہ ''اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج'' (دوسری قسط) معارف، فروری ۶۳ء، ص ۱۵۔

۱۵۔ مزید تفصیل کے لیے دیکھیے: علامہ عتیق فکری کا مضمون ''برصغیر پر ملتان کے علمی اثرات''، امروز، ملتان نمبر، ص ۵۔

۱۶۔ بحوالہ ''ملتان میں فلسفہ اور اس کے اثرات برصغیر پر''، از علامہ عتیق فکری، ص ۶۔

۱۷۔ ''اسلامی ہند کے نصف اول میں علوم عقلیہ کا رواج'' مطبوعہ معارف، اپریل ۱۹۶۳ء، ص ۲۰۷۔

۱۷۔ بحوالہ ''برصغیر میں مسلم فکر کا ارتقاء'' از قاضی جاوید، ص ۵۴-۵۵، مطبوعہ ادارہ ثقافت پاکستان طبع اول ۱۹۷۷ء۔

۱۹۔ بحوالہ ''سیر العارفین''، ص ۱۵۲۔